بلاک ۲: اکائی ۶: تہذیب

ترتیب

۶ ـ ۰ مقاصد

۶ ـ ۱ دیباچہ

۶ ـ ۲ ابتدائی گفتگو سے پہلے

۶ ـ ۳ متن کا پہلا حصّہ

۶ ـ ۴ متن کا دوسرا حصّہ

۶ ـ ۵ متن کا تیسرا حصّہ

۶ ـ ۶ متن کا چوتھا حصّہ

۶ ـ ۷ متن کا پانچواں حصّہ

۶ ـ ۸ متن کے پہلے حصّے پر گفتگو

۶ ـ ۹ متن کا اندازِ بیان

۶ ـ ۱۰ مرکّب اور جمع

مشق I

اپنا امتحان خود لیجیے I

۶ ـ ۱۱ متن کے دوسرے حصّے پر گفتگو

۶ ـ ۱۲ کچھ اندازِ بیان کے بارے میں

۶ ـ ۱۳ آیئے سبق دُہرائیں

مشق II

اپنا امتحان خود لیجیے II

۶ ـ ۱۴ متن کے تیسرے حصّے پر گفتگو

۶ ـ ۱۵ خلاصہ بحث

جوابات
مزید مطالعے کے لیے

۶-۰ مقاصد

اس اکائی کے دو مقصد ہوتے:

ا۔ تہذیب کے مسئلے پر لکھتے ہوئے زبان کا روپ دکھانا اور زبان کا صحیح استعمال سکھانا اور

اا۔ تہذیب کے مسئلے پر مناسب واقفیت فراہم کرنا۔

۶-۱ دیباچہ

آپ جانتے ہیں زبان سے مختلف کام لیے جاتے ہیں۔ ایک طرف یہ روزمرہ کے کام کاج میں برتی جاتی ہے۔ دوسری طرف مختلف قسم کے مضامین اور معلومات کو بیان کرنے میں کام آتی ہے۔ اس لیے وہ تہذیب کا حصہ ہی نہیں تہذیب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اردو جب تہذیب کے ان مسئلوں کو بیان کرتی ہے تو کس طرح استعمال ہوتی ہے اور اس کا روپ کیا ہوتا ہے۔ اس اکائی میں آپ یہی دیکھیں گے۔ اس اکائی کا مقصد آپ کو یہ بتانا اور سکھانا ہے کہ اردو میں تہذیبی مسئلے پر کس طرح آسانی اور روانی سے لکھا جاتا ہے اور مختلف علوم و فنون کے بیان کرنے میں زبان کس طرح برتی جاتی ہے۔ اسے ہم غلام السیدین کی کتاب 'روح تہذیب' کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

۶-۲ ابتدائی گفتگو سے پہلے

اب آیئے اصل متن پڑھیں۔ یہ متن اردو کے مشہور لکھنے والے

خواجہ غلام السیدین کی کتاب 'روح تہذیب' سے لیا گیا ہے۔ سیدین صاحب ماہر تعلیم تھے اور آزاد ہندوستان کی تعلیمی پالیسی بنانے والوں میں تھے۔ وہ اردو کے مشہور شاعر اور نقاد خواجہ الطاف حسین حالی کے خاندان سے تھے۔ ان کی اس کتاب میں تہذیب کی خاص خاص باتیں بیان کی گئی ہیں۔

جب ہم کسی شخص کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں تو ہمارا کیا مطلب ہوتا ہے اور ہم اس میں کون سی خوبیاں تلاش کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ سیدین صاحب نے کتنی گہری باتیں کتنی آسان طریقے پر کہہ دی ہیں۔

۶-۳ متن کا پہلا حصہ

" اگر مجھ سے کہا جائے کہ تم مکمل تہذیب یافتہ انسان کی تصویر پیش کرو، تو اس کے خدوخال بنانے میں شاید سب سے پہلے میں رواداری کی صفت پیش کروں۔ ممکن ہے آج کل کے زمانے میں جب ہر جماعت بلکہ ہر فرد اپنے اپنے مخصوص اور بظاہر جداگانہ مفاد کے لیے جدوجہد کر رہا ہے اور جماعتی وفاداری اور تعصب کو تقریباً ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ کہنا بے وقت کی راگنی معلوم ہو لیکن میرا پُرخلوص عقیدہ یہ ہے کہ افراد اور جماعتوں کے لیے رواداری کی صفت پیدا کیے بغیر تہذیب کی منزل تک پہنچنا ممکن نہیں۔ بہت سے نیک نیت اور نیک نفس لوگوں کی خوبیوں پر محض اس وجہ سے پانی پھر جاتا ہے کہ ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی زندگی کو خود اپنے اور دوسروں کے لیے ایک عذاب مستقل بنا لیتے ہیں۔ انھیں یہ خیال نہیں آتا کہ حکمتِ الٰہی اس امر کا مقتضی ہے کہ انسانوں میں اختلافات ہوں اور وہ ان کا احترام کریں۔ سائنس اور جمہوریت کے اس دور میں جب انفرادیت کی تکمیل کے بغیر قومی ترقی ناممکن ہے۔ تنگ نظری اور تعصب خودکشی کا حکم رکھتا ہے۔ دماغی بیداری اور نشوونما اسی جماعت میں ممکن ہے جس کے افراد میں ذہنی کشادگی ہو۔ جن کی

دلچسپیاں متنوع ہوں جو علاوہ اپنے تنگ اور محدود ذاتی اغراض و مقاصد کے دوسرے مسائل میں بھی دلچسپی کے ساتھ شرکت کریں۔"

۶-۴ متن کا دوسرا حصّہ

ہندوستانی تہذیب کی تباہی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی شدّت کے ساتھ تعصب اور تنگ نظری سرایت کر گئی ہے جس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بیسویں صدی میں جب کہ ہندو مذہب پانچ ہزار سال پرانا ہو چکا ہے مہاتما گاندھی کو اچھوتوں کی آزادی کے لیے اپنا نقدِ حیات پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میرے عقیدے کے مطابق باوجود ہر قسم کی علمی اور فنی ترقی کے اور ان تمام کارناموں کے جو ہندو تمدّن کے امتیاز کے باعث ہیں ایسی سوسائٹی جو اس طرح انسانی حقوق اور رواداری کا خون کرے سراسر نفی تہذیب کرتی ہے۔ یہ حکم ان تمام قدیم تمدّنوں اور معاشرتوں پر عاید ہوتا ہے جنھوں نے مختلف صورتوں میں اپنے بعض افراد کی حق تلفی کی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان پر ظلم کو روا رکھا خواہ وہ غلامی کی رسم ہو یا عورتوں کی حق تلفی ہو یا کمزور اقوام کے حقوق پر دست درازی ہو۔

بے شک اس اصول کے قائم کرنے سے ہمیں افلاطون کے زمانے کی سوسائٹی سے لے کر امریکہ جیسے متمدّن اور مہذّب ملک تک کی شان میں گستاخی کرنی پڑے گی اور خود ہندوستان کے احساس کو ٹھیس لگے گی لیکن ہم کسی طرح اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ صحیح انسانی تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تمام انسانوں سے رواداری اور عدل کا برتاؤ کریں۔ جو فرد یا جماعت اس قاعدے کی خلاف ورزی کرتی ہے وہ تہذیب سے سراسر عاری ہے خواہ اس کی سطحی تہذیب کیسی ہی خیرہ کُن کیوں نہ ہو۔

۶-۵ متن کا تیسرا حصّہ

تہذیب کسی ملک، قوم یا فرد کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے پیدا ہوتی ہے۔ سطحیت اور تعصب اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ اس تہذیب کے زوال کا ہندوستان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے جیسے انسانوں کو اچھوت کہہ کر اپنے سے الگ کر دیا۔ تنگ نظری اور تعصّب نے فرقوں کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ ایک دوسرے کی سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ برہمن، چھتری، ویش اور شُدر کی تقسیم ملک کی قسمت کی بربادی تھی۔ اسی طرح غلامی کی رسم اور عورتوں کے حقوق کی پامالی نے بھی ہندوستان کو مہذب سماج میں سر اٹھانے نہیں دیا۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ ہم انسان کو اس کا حق دیں۔ وہ بھی سماج کا ایک حصّہ ہے۔ علم وفنون کے حاصل کر لینے سے کوئی ملک مہذّب نہیں کہلائے گا۔

۶-۶ متن کا چوتھا حصّہ

رواداری کے مفہوم میں ایک طرف تو یہ داخل ہے کہ انسان دوسروں کے جذبات اور خیالات کو سمجھے اور ان کا احترام کرے اور اپنی ذات میں اس درجہ وسعت پیدا کرے کہ اس میں دوسروں کا دکھ درد بھی سما سکے۔ دوسری طرف اس میں یہ صفت شامل ہے کہ انسان دوسروں کی غلطیوں اور قصوروں کو فیاضی کے ساتھ جانچے اور ایک سخت گیر قاضی کی طرح ان پر حکم لگانے کی بجائے ایک اہلِ دل انسان کی طرح ان کی وجہ اور علّت کو معلوم کرنے کی کوشش کرے یعنی اسے چور پکڑنے اور سزا دینے سے زیادہ اس بات کی فکر اور کاوش ہو کہ وہ کیا اسباب تھے جنھوں نے اس شخص کو سیدھے راستے سے ہٹا کر اسی راستے پر ڈال دیا۔ جو

شخص ہمیشہ دوسروں کے لیے محتسب بنا رہتا ہے ان کی عیب جوئی کرتا ہے۔ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ ان پر سختی کرنا اور انہیں عذابِ الیم کا مزہ چکھانا اپنا فرض سمجھتا ہے، وہ ممکن ہے کہ ایک اعلیٰ اخلاقی سیرت کا مالک ہو لیکن وہ تہذیب کے ایک نہایت لازمی اور شیریں عنصر سے محروم ہے۔ اس میں وہ فراخدلی اور رواداری نہیں ہے جو مجرم اور جرم میں امتیاز کرتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے دل میں ایک بدبخت مجرم کو دیکھ کر بھی یہ خیال گزرتا ہے کہ اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہوتی تو کیا عجب ہے کہ آج ہم بھی اسی حالت میں ہوتے۔ یعنی وہ صفت جس کی بدولت عارضی اور اتفاقی فرق کی بنا پر ہم اپنی مشترک انسانیت کا احساس نہیں کھونے پاتے، یہ وہ حقیقی انسانی ہمدردی، رحم اور انکسار ہے جو بعض لوگوں میں فطرتاً ودیعت ہوتا ہے اور بعض پر اس کا ذرا سا پرتو بھی نہیں پڑتا۔

۶ - ۷ متن کا پانچواں حصہ

دراصل تہذیب کا مسئلہ عدل اور توازن، کا مسئلہ ہے۔ یعنی ہمیں مختلف قوتوں اور مطالبات کے درمیان بلکہ مختلف اچھی اور مستحسن صفات کے درمیان ایک خاص تناسب قائم کرنا ہے۔ ہم نے ابھی غرور اور دنیا زمندی کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں سچی تہذیب ہم سے بہ یک وقت دو ایسی صفات کی طالب ہے جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتی ہیں۔ ایک طرف اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے اپنی حقیقی وقعت اور عظمت کا احساس ہو اور وہ یہ جانے کہ وہ بے شمار امکانات کا مالک اور حامل ہے جن کو عمل میں لانا اور ان کے ذریعہ عالمِ فطرت کو تسخیر کرنا اس کا فرض ہے۔

سائنس کی ترقی نے انسان کی عقل کو بڑی حد تک توہمات کی زنجیروں سے آزاد کر دیا ہے اور اسے اس کی فطری ماحول پر بہت بڑی قدرت

حاصل ہوگئی ہے۔

جو شخص عاجزانہ تقدیر پرستی کا شکار ہو جائے اور اس دنیا میں جو عالم اسباب ہے ہاتھ باندھ کر بیٹھ رہے وہ کوئی مفید کام انجام نہیں دے سکتا۔ ہمارے نزدیک نہ وہ تہذیب یافتہ ہے اور نہ بن سکتا ہے کیوں کہ ہم تہذیب کے فعالی مفہوم کے قائل ہیں اس کو ایک جامد اور مجہول چیز بنانے کے لیے تیار نہیں۔

٦۔٨ متن کے پہلے حصّے پر گفتگو

الف ۔ اس اقتباس کا کلیدی لفظ رواداری ہے، جس کا مطلب ہے دوسروں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرنا اور یہی وہ راستہ ہے جو انسانوں اور جماعتوں کو تہذیب سے آشنا کرتا ہے۔

ب ۔ اس اقتباس میں چند الفاظ ایسے آئے ہیں جن کے معنی کا سمجھنا ضروری ہے تاکہ لکھنے والے کا مرکزی خیال واضح ہو جائے۔

مفاد فائدہ

بے وقت کی راگنی : بے وقت کسی بات کا کہنا یا کرنا۔ یہاں مصنّف اپنی بات کو بے وقت کی راگنی اس لیے نہیں کہہ رہا ہے کہ یہ باتیں اس کو اس زمانے میں نہیں کہنا چاہئیں بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس وقت جب کہ لوگ ذاتی مفاد کی بات سوچتے ہیں اور جماعتیں صرف اپنے مقصد کو سامنے رکھتی ہیں ان دونوں کے مزاج کے خلاف بات کہنا بظاہر بے وقت کی راگنی ہے۔

حکمت الٰہی : خدا کی مصلحت۔ انسان اور کائنات کو رنگارنگ حالتوں میں پیدا کیا گیا ہے۔ رنگ، نسل، قوم، مذہب اور مزاج سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ذہنی کشادگی : ذہن کی وسعت (بظاہر یہ لفظ آسان اور سادہ ہے مگر اس کے معنی گہرے ہیں۔ رواداری اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی

جب تک آدمی کھلے ذہن کے ساتھ دوسروں کی عزت نہ کرے۔
متنوّع : طرح طرح کی رنگا رنگ۔

اس مضمون سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ تہذیب ایک ایسی چیز ہے جس سے افراد اور جماعتوں کی پہچان ہوتی ہے اور یہ تہذیب رواداری کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

بہت سے نیک آدمی ایسے ہوتے ہیں جو ان خوبیوں کے باوجود محض رواداری سے محروم ہونے کی وجہ سے بڑے آدمی نہیں کہے جا سکتے۔
رواداری میں خود غرضی اور تعصب کی گنجائش نہیں رہتی۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ افراد کے مجموعہ کا نام جماعت ہے۔ فرد کی ایک ذمہ داری بہ حیثیت فرد کے ہے اور دوسری بحیثیت جماعت کے ایک حصّے کے۔ اس کو ان میں توازن پیدا کرنا ہے۔ جماعت سے وفاداری کوئی بُری بات نہیں ہے مگر اس ذاتی رجحان کو لوگ تعصب اس لیے خیال کرتے ہیں کہ وہ اس کو محدود پیمانے پر دیکھتے ہیں ورنہ تعصّب یہ ہے کہ انسان صرف اپنی یا اپنی جماعت کو سب سے بہتر خیال کرے اور اس کی برائیوں کو خوبیوں سے تعبیر کرے۔

۶ - ۹ متن کا اندازِ بیان

اب آیئے ذرا دیکھیں کہ لکھنے والے نے اپنی بات کس ڈھب سے کہی ہے۔

پہلی بات تو آپ نے یہ دیکھی ہو گی کہ بات چیت کرنے کا انداز اختیار کیا گیا۔

"اگر مجھ سے کہا جائے کہ تم مکمّل تہذیب یافتہ انسان کی تصویر پیش کرو" کے لفظوں سے آپ کے سامنے دو ایسے آدمیوں کی تصویر ابھرتی ہے جو ایک دوسرے سے بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کر رہے

ہیں اسی جملے میں 'تم' کا لفظ بھی یہی تصویر پیش کرتا ہے یعنی لکھنے والے نے اپنی بات کو اس طرح پیش کرنے کے بجائے کہ "میرے نزدیک رواداری تہذیب کی سب سے بڑی پہچان ہے" اسے ایک تصویر کے ذریعے بیان کیا ہے۔ ایک آدمی دوسرے سے تہذیب یافتہ انسان کی تصویر پیش کرنے کو کہتا ہے اور وہ شخص تہذیب یافتہ آدمی کی پہچان رواداری کو بتاتا ہے۔

آپ ذرا آگے بڑھیں تو آپ کو یہ ذکر ملے گا کہ رواداری تہذیب کی اتنی اعلیٰ خوبی بلکہ پہچان ہونے کے باوجود غائب ہوتی جارہی ہے اور ہر شخص اپنے فائدے کی خاطر دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہے اور اس میں ایسا کھو گیا ہے کہ اسے دوسروں کو پہچاننے اور ان کو عزت کے ساتھ سمجھنے کا خیال ہی نہیں آتا۔

اسی بات کو لکھنے والے نے ایک جوڑ دو محاروں سے ادا کیا ہے اور یہ جانتے ہیں کہ محاورہ بات چیت میں مزہ پیدا کر دیتا ہے اور بے تکلفی آجاتی ہے۔ ذرا ان دونوں محاوروں کو دیکھیے:

"یہ کہنا بے وقت کی راگنی معلوم ہو"

"بہت سے نیک نیت اور نیک نفس لوگوں کی خوبیوں پر محض اس وجہ سے پانی پھر جاتا ہے کہ ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی"

بے وقت کی راگنی بے تکی بات کو کہتے ہیں جو بے موقع کہی جائے۔

اور پانی پھر جانے سے مُراد ہے کسی چیز کا بیکار ہو جانا ضائع جانا۔

تو آپ نے دیکھا کہ سیدین صاحب نے ایک تو تہذیب جیسے مسئلے کو آسان طریقے سے گفتگو کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے دوسرے گفتگو کا لہجہ محاوروں کے استعمال سے قائم کیا ہے اور گفتگو بھی اس طرز کی ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں تصویریں ابھرنے لگیں۔

تیسری بات یہ بھی ہے کہ مضمون کا ایک خیال دوسرے خیال سے جڑتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح مضمون آگے بڑھتا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے یہ ذکر آیا کہ تہذیب میں رواداری کی کیا اہمیت ہے۔ پھر یہ کہ

آج کل رواداری کی کمی کیوں اور کیسے ہوئی ہے اور کس طرح رواداری کی کمی نے آج کل انسانی تہذیب کے لیے ایک بڑے خطرے کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس کے بعد یہ خیال کہ رواداری کسے کہتے ہیں اور کس طرح رواداری کا سوال عدل اور توازن کے بنیادی سوال سے مل جاتا ہے۔ گویا ربطِ خیال اس طرزِ بیان کی اہم خصوصیت ہے۔ ہر جملہ دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور اسی طرح ہر پیراگراف دوسرے سے مربوط ہے۔ اگر بیچ سے کسی ایک ٹکڑے کو نکال دیں تو بات ادھوری رہ جائے گی۔

چوتھی بات یہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ لکھنے والے نے جو بات بھی کہی ہے اس کے لیے یا تو کوئی دلیل دی ہے یا کوئی مثال پیش کی ہے اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کی بات پڑھنے والے کے دل میں اُترتی جاتی ہے اور اچھے ادبی اسلوب کی یہ بھی ایک پہچان ہے۔

۶ ـ ۱۰ مرکّب اور جمع

پتہ نہیں آپ قواعد سے جی چراتے ہیں یا نہیں۔ بہت سے طالب علموں کو تو اس کے نام ہی سے بخار آجاتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ مادری زبان والوں کو تو قواعد اس طرح آجاتی ہے جیسے مچھلی کے بچّے کو تیرنا، مگر پھر بھی آپ کو تیرنا نہ بھی آتا ہو تو بھی تھوڑی بہت واقفیت تو ہونی ہی چاہیے۔

آپ نے پچھلے سبق میں دو قسم کے لفظ ضرور دیکھے ہوں گے کہ ایک مرکّب قسم کے یعنی دو لفظوں سے مل کر بنے ہیں، دوسرے سیدھے سادے جو ایک لفظ ہی کے ہیں مثلاً ایک لفظ ہے کوشش اور دوسرا ہے جدّوجہد، ایک لفظ ہے ترقّی دوسرا لفظ ہے نشوّونما، ایک لفظ ہے شکل دوسرا لفظ ہے خدوخال۔ دو لفظوں سے مل کر بننے والے لفظ مرکّب کہلاتے ہیں۔ ایک اور قسم کے لفظوں سے بھی آپ کا سابقہ پڑا ہوگا جن میں کوئی حرف بڑھا کر جمع بنا لیا گیا ہے جیسے فرد سے افراد۔ اب ان لفظوں

پر غور کیجیے۔

فرد	افراد
غرض	اغراض
امر	امور
صفت	صفات

آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں تو اب تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیجیے۔ چائے سے شوق ہو تو ایک پیالی چائے پی لیجیے، نہیں تو ادھر اُدھر کسی سے جی بہلا لیجیے کہ آپ کو تکان کا احساس نہ ہو پھر ہم آگے کی بات شروع کریں گے۔

مشق I

(الف) تہذیب یافتہ انسان کی سب سے اہم پہچان کیا بتائی گئی ہے ؟
(ایک لفظ میں لکھیے)

(ب) رواداری کسے کہتے ہیں؟ (۱۵ الفاظ میں بیان کیجیے)

(ج) تہذیب کا مسئلہ عدل و توازن کا مسئلہ ہے، اس کی وضاحت کیجیے۔
(۲۰ - ۲۵ الفاظ میں)

اپنا امتحان خود لیجیے I

۱۔ محاورہ لفظوں کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جو اپنے اصل معنی میں استعمال نہ ہوا اور اس سے دوسرے معنی لے لیے جائیں اور اس کے کسی لفظ کو بدلا نہ جائے۔ جیسے پانی پھر جانا یا بے وقت کی راگنی۔ متن کو غور سے پڑھیے

۲۔ لکھنے والے نے رواداری کے حق میں کیا دلیلیں دی ہیں؟ اپنے لفظوں میں لکھیے۔ (۲۰ الفاظ میں)

۳۔ سیدین صاحب کے لکھنے کے انداز میں کون سی خاص باتیں آپ کو نظر آئی ہیں ؟

۶-۱۱ متن کے دوسرے حصے پر گفتگو

ہم ایک دفعہ اپنے گزشتہ سبق کو دہرالیں کہ اس کا مطلب واضح ہوجائے گا۔ گزشتہ اقتباس کا بنیادی لفظ تھا رواداری۔ رواداری کے فائدے یہ ہیں کہ وہ ہم کو تہذیب تک پہنچنے میں رہبر کا کام کرتی ہے۔ انسانوں کے اختلافات کو مخالفت کا رنگ نہیں دیتی بلکہ ان کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور رواداری کے نہ ہونے سے نقصان یہ ہے کہ تعلیم یافتہ اور نیک ہونے کے باوجود ہمارا شمار تہذیب یافتہ انسانوں میں نہیں ہوسکتا۔ اور ہم میں خود غرضی اور تعصب پیدا ہوجاتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم چند الفاظ کے معنی سمجھ لیں تاکہ مطلب واضح ہوجائے:

نفی تہذیب : تہذیب کا نہ ہونا یا اس کو تسلیم نہ کرنا اور اس کی ضد ہے اثباتِ تہذیب۔

معاشرت : رہن سہن کا طریقہ

خندہ پیشانی : خوشی سے

دست درازی کرنا : حملہ کرنا (دراز کے معنی لمبے کے ہیں مگر جب یہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ آتا ہے تو معنی مختلف ہوجاتے ہیں مثلاً
زبان دراز (بدزبان) رسّی دراز ہونا (ڈھیل مل جانا)
دراز گوش (گدھا)

خیرہ کن : چکاچوند کرنے والا

۶-۱۲ کچھ اندازِ بیان کے بارے میں

پچھلی بار ہم نے غور کیا تھا کہ سیدین صاحب نے اپنے مضمون میں رواداری کو تہذیب کی پہچان قرار دیتے ہوئے لکھنے کے کیا

طریقے اختیار کیے تھے۔ ہم نے دیکھا تھا کہ:

اول تو انھوں نے بات چیت کرنے کا طریقہ اپنایا۔

دوم انھوں نے ایسے لفظوں کا استعمال کیا کہ سننے والے اور پڑھنے والے کی نظروں کے سامنے تصویریں اُبھرتی رہیں۔

سوم انھوں نے مثالوں سے بہت کام لیا۔

چہارم انھوں نے دلیلیں پیش کیں۔

پنجم انھوں نے ربطِ کلام کو خاص طور پر برتا کہ ایک بات سے دوسری بات نکلتی چلی جاتی ہے۔

اب اس ٹکڑے میں آپ ایک اور بات بھی پائیں گے وہ ہے طنز کا استعمال۔ دراصل لفظوں کے برتنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ ایک تو یہی سیدھا سادا طریقہ ہے کہ جو لفظ استعمال کیا جائے اس کے وہی معنی ہوں جو لغت میں دئے ہوئے ہیں نو۹ کے معنی ہوں دس سے ایک کم اور دو کے معنی ہوں ایک سے زیادہ اور گیارہ کے ہوں دس سے ایک زیادہ مگر جب ہم کسی کے بارے میں کہیں کہ وہ نو دو گیارہ ہو گیا تو اس سے یہ مراد لے لیں کہ وہ غائب ہو گیا۔ لفظوں کے یہ وہ معنی ہوئے جو ان کے عام معنوں سے الگ ہیں۔ اسی لیے لفظوں کے ایسے مجموعے کو جو اپنے اصلی معنوں میں یعنی لغت کے معنی میں نہ برتا جائے محاورہ کہتے ہیں۔ محاورے کے علاوہ بھی لفظ اپنے اصلی معنی یعنی لغت کے معنوں کے علاوہ استعمال کیے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر طنز میں۔ مثلاً ہم کسی کو بہت قابل کہیں اور اس سے یہ مراد لے لیں کہ وہ بالکل نا قابل ہے۔ یہ ایسا طریقہ ہے جس میں بیان کا لطف بھی ہے اور مطلب سیدھے سادے لفظوں میں ادا کرنے کے بجائے ذرا موڑ پھیر کے ساتھ مزے لے کر بیان کیا جاتا ہے مثلاً یہ جملہ دیکھیے:

خندہ پیشانی کے ساتھ ان پر ظلم روا رکھا (یعنی خوشی خوشی ان پر ظلم ڈھایا)

بھلا کوئی کسی پر خوشی خوشی بھی ظلم ڈھاتا ہے مگر لکھنے والے کا مطلب یہ ہے کہ ظلم ڈھانے والوں کو اس کا احساس تک نہ ہوا کہ یہ ان کی بدتہذیبی ہے اسی طرح ایک اور جملہ دیکھیے:

امریکہ جیسے مہذّب ملک کی شان میں گستاخی کرنا پڑے گی ۔"

یہاں بھی بات کو ذرا مختلف ڈھنگ سے مزے لے کر کہا گیا ہے۔ اوّل مہذّب ملک کا لفظ بھی طنز سے خالی نہیں ہے پھر "شان میں" کا بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے پھر "گستاخی کرنا پڑے گی" سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ رواداری نہ ہو تو پھر کوئی ملک یا قوم اپنے کو کتنا ہی تہذیب یافتہ کیوں نہ کہے دراصل غیر مہذّب ہی ہے۔

ان دونوں نئی باتوں کے ساتھ ساتھ مثالوں اور دلیلوں کے ساتھ ربطِ کلام کا بھی خیال رکھا گیا ہے جس طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

---

۶ - ۱۳ آیئے سبق دُہرالیں

اب تک جو پڑھا وہ یہ تھا کہ تہذیب کا راستہ رواداری سے ہوتا ہوا جاتا ہے۔ انسانوں کے اختلافات اور رنگارنگی ہی سے بزم کائنات میں رنگ ہے اس کو مخالفت کا نام دینا غلط ہے۔ تعلیم یافتہ ضروری نہیں کہ مہذّب بھی ہو۔ رواداری کے نہ ہونے سے تعصب اور غرض پیدا ہوتی ہے۔ جماعتی وفاداری کو تعصب کے ہم معنی خیال کرنا غلط ہے۔ فرد اور جماعت میں توازن پیدا کرنا تہذیب کی علامت ہے۔ مہذّب انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو حقیر خیال نہ کرے۔

ہندوستان اپنی قدیم روایات اور علوم و فنون کے باوجود اس لیے ترقی نہیں کر پایا تاکہ اس نے انسانوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ تہذیب کے بنیادی اصولوں میں یہ بھی ہے کہ ہم کسی کا حق نہ ماریں۔ یہ حق خواہ کسی فرد کا ہو یا طبقہ کا یا مذہب کا۔ علوم و فنون کے حاصل کر لینے سے ہی کوئی ملک

مہذب نہیں کہلاتا جس کی زندہ مثال امریکہ ہے ۔ انسان دوسروں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرے تو رواداری کا مطلب صاف ہو جائے گا ۔ یہاں رواداری کے لیے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کون سی باتیں اس کے لیے پسندیدہ ہیں اور کون سی ناپسندیدہ ۔

پسندیدہ

الف ۔ دوسروں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرنا ۔

ب ۔ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا ۔

ج ۔ ایک ہمدرد کی حیثیت سے مرض (برائی) کی جڑ کو تلاش کرنا ۔

د ۔ جرم سے نفرت اور مجرم سے ہمدردی ۔

ہ ۔ دوسروں کے قصوروں کو معاف کر دینا ۔

ناپسندیدہ

الف ۔ دوسروں کی برائیوں کو تلاش کرنا اور ان کا حساب لینا ۔

ب ۔ غلطیوں کو معاف کرنے کی بجائے ان پر سختی کرنا ۔

ج ۔ جرم اور مجرم میں امتیاز کرنا ۔

د ۔ انسانی ہمدردی اور انکساری سے محرومی ۔

آیئے، آگے بڑھنے سے پہلے ذرا چند مشکل الفاظ کے معنی پر بھی غور کرتے چلیں ۔

محتسب : حساب لینے والا ۔ اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ جو قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ان کو سزا دے ۔

مصنف کا خیال ہے کہ اس سے جرم کم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے مجرم بھی پیدا ہو سکتے ہیں ۔ جب تک یہ پتہ نہ چلایا جائے کہ جرم کی جڑیں کہاں تک گئی ہیں اور ان کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے ۔

عیب جوئی : عیب تلاش کرنا ۔

عذابِ الیم : دردناک عذاب
ودیعت : عطا کی ہوئی چیز ـــــــ ہمدردی اور رحم کے عنصر دو طریقوں سے انسان میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو پیدائشی طور پر اس کے مزاج میں داخل ہو اور دوسرے اپنی عملی زندگی میں اپنی کوشش سے اس کو حاصل کرے۔

مشق II

۱۔ پچھلے متن کو ایک بار پھر پڑھیے اور نیچے دئے ہوئے سوالوں کے جوابات لکھئے:

الف۔ تہذیب کی تباہی کا سبب مصنف نے کیا بتایا ہے؟

ب۔ گاندھی جی کو نقدِ حیات کی قربانی کیوں پیش کرنی پڑی تھی؟

ج۔ اچھوتوں، غلاموں اور عورتوں کا مسئلہ مصنف کے نزدیک کیا ہے؟

د۔ امریکہ اور بعض دوسرے ملک علوم و فنون میں ترقی کے باوجود مصنف کے نزدیک کیوں مہذب نہیں کہے جاسکتے؟

ہ۔ تہذیب یافتہ ہم کس کو کہیں گے؟

۲۔ اس پارے میں کچھ الفاظ واحد میں آئے ہیں اور کچھ جمع کی صورت میں:

جذبات و احساسات	جمع ہیں	اور	جذبہ و احساس	واحد ہے
لغزشوں	جمع ہیں	اور	لغزش	واحد ہے
اسباب	جمع ہیں	اور	سبب	واحد ہے
تجربے	جمع ہیں	اور	تجربہ	واحد ہے
				(تجربات بھی جمع ہے)
آزمائشیں	جمع ہیں	اور	آزمائش	واحد ہے
مفہوم	واحد ہے	اور	مفاہیم	جمع ہے
صفت	واحد ہے	اور	صفات	جمع ہے
			(صفتیں بھی جمع ہے)	
علت	واحد ہے	اور	علل	جمع ہے

(علتیں بھی جمع ہے)

عُنصر واحد ہے اور عناصر جمع ہے

یہ چند جمع اور واحد کی مثالیں ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اردو میں جمع اور واحد کو ہر طریقہ سے موقع محل کی مناسبت سے بنایا گیا ہے۔

اسی لحاظ سے نیچے دئے ہوئے لفظوں کی جمع بنائیے یہ بتائیے کون کس کی جمع ہے:

فرد	اختلافات	اصل	افراد
اختلاف	امتیازات	حق	احساسات
احساس	حقوق	امتیاز	اصول

اپنا امتحان خود لیجیے II

۱۔ خالی جگہیں بھریے:

رواداری کے مفہوم میں ایک طرف تو یہ داخل ہے کہ انسان ـــــ کے جذبات اور خیالات کو سمجھے اور ان کا ـــــ کرے اور اپنی ذات میں اس درجہ ـــــ پیدا کرے کہ اس میں دوسروں کا دکھ درد بھی ـــــ سکے دوسری طرف اس میں یہ صفت شامل ہے کہ انسان دوسروں کی غلطیوں اور قصوروں کو ـــــ کے ساتھ جانچے۔

(دوسروں، وسعت، سما، احترام، فیاضی)

۲۔ ہمیں دوسروں کی غلطیوں اور قصوروں کو فیاضی کے ساتھ کیوں جانچنا چاہیے؟ (۲۵ الفاظ میں بیان کیجیے)

. . . .

. . . .

. . . .

۳۔ مصنّف کے نزدیک مجرم اور جرم میں کیا امتیاز ہونا چاہیے اور کیوں؟ (۳۰ الفاظ میں لکھیے)

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

۴۔ تقدیر پرستی انسان کو مہذب بننے سے کیوں روکتی ہے ؟
(زیادہ سے زیادہ ۳۰ الفاظ میں بیان کیجیے)

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

۶ - ۱۴ متن کے تیسرے حصے پر گفتگو

امید ہے کہ اب آپ کی تھکن دور ہو چکی ہو گی اور آپ سیدین صاحب کے طرزِ گفتگو کے عادی ہو چکے ہوں گے۔ اب آپ کو اس کا بھی انتظار ہو گا کہ پچھلی سطروں میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے لکھنے والے نے کیا نتیجہ نکالا ہے اور تہذیب کی پہچان کے سلسلے میں رواداری کے لفظ کو پھیلا کر اس سے اور کیا کیا مفہوم برآمد کیے ہیں۔

آیئے اب اس دریافت کے نئے سفر پر چلیں مگر اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ اب تک کی کہی ہوئی باتیں دُہراتے چلیں۔ اس حصے پر گفتگو کے لیے ضروری ہے کہ ہم کو یاد ہو کہ گزشتہ اوراق میں ہم نے کیا پڑھا تھا۔

رواداری کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہم دوسروں کے دُکھ درد میں کام آئیں۔

تیسرے دوسروں کی غلطیوں پر گرفت کرنے کی بجائے ان کو نظر انداز کریں۔
جرم پر فیصلہ سنانے کی بجائے اس کے اسباب پر غور کریں اور اس جڑ کو اکھاڑنے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے جرم پیدا ہو۔

دوسرے الفاظ میں جرم اور مجرم میں فرق کریں۔ حقیقی ہمدردی، رحم اور انکسار خدا کا عطیہ ہوتا ہے۔ یہ بھی اس کی فطرت ہوتی ہے اور کبھی اپنے عمل سے ان کو حاصل کرتا ہے۔

آیئے پہلے اس ٹکڑے کے بعض مشکل لفظوں کا مطلب سمجھ لیں۔

<u>عدل</u> :۔ انصاف، مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر کام کی جزا اور سزا ہے یعنی کام کریں تو اچھا انجام نکلتا ہے برے کام کا برا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کو فوری طور پر نتیجہ نہ معلوم ہو مگر عمر کی کسی منزل پر وہ نتائج سامنے آجائیں گے۔

<u>توازن</u> :۔ جس طرح ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہو کر ہم وزن ہو جاتے ہیں اسی طرح تہذیب کو بھی اسی ترازو میں تولنا ہوگا۔ تناسب زندگی کی بنیادی شرط ہے۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ روپیہ کا خرچ کرنا اچھا ہے مگر فضول خرچی بری چیز ہے مگر اس کی دوسری انتہا کنجوسی بھی بری چیز ہے۔ یہ دونوں باتیں اس لیے پیدا ہوئیں کہ تناسب نہیں تھا۔

<u>ذہانت</u> : ذہانت اچھی چیز ہے مگر اس کو برے کاموں میں استعمال کرنا اس کا عیب بن جائے گا۔ ذہانت کا استعمال نہ کرنا یا غلط استعمال کرنا دونوں غلط ہیں۔ اس کو تہذیب کے پیمانے پر ناپئے تو پتہ چلے گا کہ فرسودہ قدیم روایات کو سینے سے لگائے رکھنا اور اس کے برعکس جدید تہذیب کی چمک دمک کو اپنانا دونوں غلط ہیں۔ ان دونوں میں تناسب پیدا کرنا ہوگا کہ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری۔

<u>مستحسن صفات</u> :۔ اچھی صفات۔

توہمات:- یہ توہم کی جمع ہے۔ایسی چیزوں پر یقین لانا جن کا وجود فرضی ہو۔اس ٹکڑے میں بہت سے الفاظ جمع کے ساتھ آئے ہیں ان کے واحد الفاظ پر غور کیجیے۔

جامد:- جو چیز ٹھوس ہو اور کم و زیادہ نہ ہو سکے۔اشخاص کے لیے کہا جائے گا کہ اس میں کوئی جذبہ ترقی کا نہ ہو۔گرامر کی اصطلاح میں وہ چیز جو نہ کسی سے نکلے اور نہ اس سے کوئی چیز نکلے۔

مجہول:- بے عمل، فضول، بے کار۔

ان لفظوں کے معنی سمجھ لینے کے بعد آیئے پھر اصل مضمون پر غور کریں۔

مصنف نے تہذیب کے سلسلے میں عدل اور توازن پر زور دیا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کو خود اعتمادی اور خود داری ملتی ہے۔اس کو احساس ہوتا ہے کہ خدا نے جب اس کو پیدا کیا ہے تو کوئی مقصد بھی ہوگا۔دنیا کو اس کی خاطر پیدا کیا ہے اس کو دنیا کی خاطر نہیں پیدا کیا ہے۔سب سے بڑی نعمت جو انسان کو عطا کی گئی وہ عقل ہے جس سے وہ اچھے بُرے کا فرق کر سکتا ہے اور وہمی باتوں سے اپنے آپ کو آزاد کر سکتا ہے۔

مصنف نے یہاں تقدیر پرستی کا ذکر کیا ہے، یعنی تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ جانا، جدّوجہد و عمل سے اس لیے الگ ہو جانا کہ اگر تقدیر میں لکھا ہے تو مل جائے گا۔یہ تقدیر کا غلط تصور ہے۔ایسا شخص تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتا۔تہذیب عمل کی طرف راغب کرتی ہے اور بے معنی اور جامد چیزوں سے پرہیز کرتی ہے۔جب ایسا انسان دوسروں پر بھروسہ کرے گا تو کبھی خود اعتمادی پیدا نہیں ہو سکتی۔یہ بے اعتمادی اور جمود انسانی ترقی کے لیے مہلک ہے۔

۶-۱۵ خلاصۂ بحث

آپ نے دیکھا مصنف نے تہذیب کی بنیادی پہچان رواداری کو

قرار دے کر بات کو کس طرح فرد اور معاشرے کی پوری زندگی کا جائزہ لیا ہے۔ اس بات کو انھوں نے گفتگو کے لہجے میں بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ محاورے کا چٹخارہ بھی ہے اور ایک جملہ دوسرے جملے سے جڑا ہوا ہے یعنی ربطِ کلام ہے اور اسی سے نثر کے بیانات میں وضاحت اور صراحت بھی پیدا ہوتی ہے اور تاثیر اور دلکشی بھی۔

جوابات

مشق I

ا۔ (الف) رواداری

ب ۔ انسانوں میں اختلافات کو تسلیم کرنا اور ان اختلافات کا احترام کرنا۔

ج ۔ یعنی ہمیں مختلف قوتوں اور مطالبات کے درمیان بلکہ مختلف اچھی اور مستحسن صفات کے درمیان ایک خاص تناسب قائم کرنا ہے۔

اپنا امتحان خود لیجیے I

الف۔ پانی بھرنا اور بے وقت کی راگنی۔

ب ۔ تنگ نظری اور تعصب کے بغیر دماغی بیداری اور نشو و نما ممکن نہیں ہے اور اس کے بغیر انسان تہذیب یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔

ج ۔ گفتگو کا انداز، دلیل اور مثال کا استعمال اور ربطِ کلام۔

مشق II

الف۔ تعصب اور تنگ نظری

ب ۔ اچھوتوں اور اقلیتوں پر دست درازی کا مسئلہ۔

ج ۔ کمزوروں کے حقوق پر دست درازی کا مسئلہ۔

د ۔ کیوں کہ ان کے یہاں انسانوں کے بعض طبقوں کے ساتھ عدل اور رواداری کا برتاؤ نہیں ہوتا۔

ہ ۔ جس میں رواداری اور دوسروں کا احترام موجود ہو۔

اپنا امتحان خود لیجیے II

دوسروں، احترام، وسعت، سما، فیاضی۔

مزید مطالعے کے لیے

قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر عابد حسین
ہندوستانی تہذیب	ڈاکٹر عابد حسین

"General Education Reading Material Project Aligarh"